Revised Edition

SRM
اضافی مطالعاتی مواد

92 Publishing House

مضامین

تفاہیم

Supports Cambridge International Examinations Syllabuses in Urdu, 3247, 8686 & 9676

Complete Practice Book

for Pre-O-Level, O- Level, A- Level & Matric Students

92 Essays 65 Outlines

32 Pictorial Essays & Much More

Covers **A-Level Topic Areas** (Paper 3-Essays)

شاذیہ اسلام

فہرستِ مضامین

	پیش لفظ	۹
۱	اللّٰہ تعالیٰ	۱۶
۲	ہمارے رسولِ کریم خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ	۱۹
۳	علم و فضل کا پیکر... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۳
۴	معاشرہ کیا ہے!	۲۶
۵	ہمارے سماجی روّیے	۲۸
۶	ایک خوف ناک واقعہ	۳۱
۷	ایک نئی ایجاد... پانچ ہزار کا نوٹ	۳۳
۸	پکنک پہ جائیں، یہ جی چاہتا ہے	۳۵
۹	کیا امتحان دینا ضروری ہے!	۳۸
۱۰	کتاب بہترین دوست ہے	۴۰
۱۱	مجھے شکایت ہے...	۴۴
۱۲	اہلِ مغرب کا المیہ	۴۷
۱۳	عمروں کا تفاوت	۵۰
۱۴	اچھے آداب و اطوار	۵۳
۱۵	کیا کیا قیامت ڈھائے ہے غصہ	۵۵
۱۶	خوف اور فوبیا	۵۸
۱۷	اَن جانے خوف اور وہم	۶۰
۱۸	توہم پرستی	۶۲
۱۹	تشدّد پسندی	۶۴
۲۰	مثبت سوچ، مثبت کردار	۶۶

لیے اسی نمونے کو اپنانا ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

اس تکنیکی نمونے کی پابندی کیوں ضروری ہے؟ اس کی کچھ وجوہات ہیں:

(۱) پہلی یہ کہ کسی بھی کام کو اگر آپ اچھے طریقے سے انجام دینا چاہیں یا اُس سے بہترین نتائج حاصل کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ وہ کام بالترتیب انجام دیا جائے۔ ''ترتیب کسی بھی کام کا حُسن ہے۔'' بے ترتیبی سے کیے گئے کام کے نتائج سو فی صد تو کیا پچاس فی صد بھی نہیں ہوتے۔ بے ترتیبی سے کیا گیا کام دوسروں کو متاثر نہیں کر پاتا، اور اُس کام کا اصل مقصد بھی پورا نہیں ہو پاتا۔

(۲) طلبا کے نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو اُنھیں ایک مقررہ اور ''مختصر وقت'' میں مضمون لکھنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اس ترتیب کو مدِّنظر رکھیں گے، تب ہی کم وقت میں جامع اور معیاری مضمون لکھ سکیں گے کیوں کہ ''جامع اور معیاری'' مضمون ہی قاری کو متاثر کرسکتا ہے۔ غیر جامع اور غیر معیاری مضمون بے اثر اور بے کار ثابت ہوتا ہے۔

(۳) اس تکنیکی نمونے کے مطابق آپ اپنی معلومات اور خیالات جامع اور to the point لکھ سکیں گے۔ اصل موضوع سے ہٹا ہوا اور منتشر خیالات پر مبنی مضمون کسی پر بھی اچھا تاثر نہیں چھوڑتا، خواہ پڑھنے والا کم تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) **جامع مضمون کیا ہے؟** وہ مضمون جس میں غیر متعلقہ اور غیر ضروری معلومات اور خیالات نہ ہوں۔ آپ اصل موضوع سے جڑے رہیں اور بے شمار مثالیں یا اعداد وشمار تحریر کرنے سے گریز کریں۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مضمون کتنی اقسام کا ہوسکتا ہے:۔

(۱) معلوماتی مضامین (۲) واقعاتی مضامین (۳) استدلالی مضامین
(۴) سائنسی مضامین (۵) مزاحیہ مضامین (۶) تاریخی مضامین
(۷) بیانیہ مضامین (کہانی کا انداز)

ہر شخص کا اپنا علمی اور ادبی ذوق ہوتا ہے۔ ضروری نہیں جو رواج ہو، وہ آپ کو یا مجھے بھی پسند ہو۔ ضروری نہیں جس قسم کا آپ کا مطالعہ ہو، میرا بھی وہی کتابیں پڑھنے کا ذوق ہو۔ ضروری نہیں جو معلومات مجھے حاصل ہوں یا جو جاننے کا مجھے شوق ہو، وہ آپ کو بھی ہو۔ گویا ہر شخص کا ذوقِ مطالعہ مختلف ہے۔ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ مضمون آپ اپنی پسند اور ذوق کے موضوع پر لکھیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کیسے ممکن ہے؟

اس کے لیے ضروری ہے کہ

(۱) طالب علم کے پاس موضوعات کئی ایک ہوں، دو یا تین عنوانات کی بجائے پانچ یا سات ہوں۔

دراصل ''مضمون نگاری'' ایک فن ہے بلکہ ایک مشکل فن ہے۔ اس کی تکنیکی شرائط بہت کڑی ہیں۔ اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ مضمون لکھنا آسان کام ہے۔ نہیں، بلکہ یہ تو دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ یہ ناتجربہ کار بچوں کا کام نہیں بلکہ بڑے منجھے ہوئے، پختہ سوچ رکھنے اور مطالعہ کے شوقین افراد کا کام ہے۔ جب کہ ہمارا موضوع تو بچوں کے لیے مضمون نگاری کے گُر جاننا ہے تاکہ ہم اُن سے اچھے اور معیاری مضامین لکھوا سکیں لہٰذا ضروری ہے کہ اُنھیں انتخاب زیادہ دیں تاکہ اُنھیں اپنی مرضی کا عنوان چُننے میں آسانی ہو۔ مضمون کی مندرجہ بالا اقسام ذہن میں رکھتے ہوئے اُن کے لیے عنوانات ترتیب دیں۔

(۲) عنوانات آسان اور دلچسپ ہوں۔

(۳) عنوانات، اساتذہ کے ذوق سے ہم آہنگ نہیں بلکہ بچوں کی سوچ، معیار، ذہنی سطح اور عُمر کے مطابق ہونے چاہییں۔ مضمون ہم نے نہیں بلکہ بچوں نے لکھا ہے لہٰذا اُن کی ذہنی سطح کے مطابق عنوانات دیں۔

(۴) بچے زیادہ تر مضمون لکھنے سے گھبراتے ہیں لہٰذا آپ بھی کبھی کبھار ہی لکھنے کے لیے کہتی ہیں۔ ایک یا دو پیریڈز میں لکھنا ویسے بھی اُن کے لیے مشکل ہوتا ہے لہٰذا اُنھیں عنوانات دو یا تین دن پہلے بتا دیں تاکہ وہ اپنی آسانی اور سہولت سے اُن عنوانات پر سوچ سکیں اور کچھ معلومات حاصل کر سکیں۔

مضمون کی چند تکنیکی ضروریات (technical requirements) بھی ہوتی ہیں، مثلاً

(۱) مشاہدہ (observation)

(۲) ذاتی دلچسپی (personal interest)

(۳) مطالعہ اور معلومات (study and knowledge)

(۴) ذخیرۂ الفاظ یعنی زبان پر عبور (vocabulary)

(۵) اندازِ تحریر (expressions)

یہ سب نکات ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں مگر آج کل کے بچوں میں یہ سب کچھ ناپید ہے۔

مضمون کی بنیادی خوبی اُس کا جامع، to the point، معیاری اور دلچسپ ہونا ہے اور یہی سب سے

معاشرہ کیا ہے!

کسی بھی معاشرے کی پہلی اکائی اور اہم ترین رُکن ''فرد'' ہے۔ معاشرہ مختلف افراد کے آپس میں میل جول، تعلقات اور لین دین سے بنتا ہے۔ افراد مِل کر معاشرہ بناتے اور اپنے اپنے عمل اور رویّے سے اُسے ترقی دیتے ہیں۔ کوئی بھی شخص اکیلا یا تنہا نہیں رہ سکتا، اُسے مختلف گھرانوں، شعبوں اور مختلف مزاج رکھنے والے افراد کے ساتھ تعاون اور یگانگت کی فضا قائم رکھتے ہوئے زندگی گزارنی پڑتی ہے، اِسی طرح ایک سماج یا معاشرہ بنتا اور پروان چڑھتا ہے۔

اگرچہ معاشرہ مختلف افراد اور اُن کے گروہوں کا مجموعہ ہے مگر ہر فرد کا پہلا رشتہ اُس کے اپنے گھر کے افراد اور خاندان کے دوسرے رشتے داروں سے ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی میں مختلف اور باہر کی زندگی میں بالکل مختلف ہوتا ہے۔ جو رویّہ اور سلوک اُس کا گھر کے افراد کے ساتھ ہوتا ہے، عموماً اُسے وہ باہر قائم نہیں رکھ سکتا۔ باہر کی زندگی میں کچھ بناوٹ یا وضع داری ہر حال میں قائم رکھنی پڑتی ہے کیوں کہ گھریلو زندگی سے باہر اُس کی کچھ اور حیثیتیں ہوتی ہیں۔ اپنے دفتر، کارخانے، ادارے یا کسی اور کام کرنے کی جگہ پر وہ افسر ہے یا ماتحت ہے، وہاں اُس کے دوسرے ہم کار اور ساتھی بھی ہیں جہاں اُسے اُن کے اور اپنے پیشہ ورانہ فرائض کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ اُس کا رویّہ اپنے افسروں کے ساتھ مختلف، اپنے ہم کاروں کے ساتھ مختلف اور ماتحتوں کے ساتھ بے حد مختلف ہوتا ہے جب کہ گھر کے افراد کے ساتھ اُس کا رشتہ اور تعلق بالکل منفرد اور جذباتی نوعیت کا ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں بھی افراد کے مختلف گروہ ہیں مثلاً ڈاکٹر، نرسیں، انجینئرز، پروفیسرز اور طلبا، بینکرز اور کلرک، انتظامیہ کے ارکان وغیرہ وغیرہ۔ کہیں کوئی گاہک ہے تو دوسرا دُکان دار ہے، کارخانہ دار اور مزدور ہیں، کہیں مختلف کمپنیوں کے مالکان ہیں تو کہیں اُن میں کام کرنے والے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ملازم ہیں۔ ان تمام گروہوں کے آپس میں ایک دوسرے کے لیے کچھ حقوق اور فرائض ہیں، ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات کا خیال اور احترام ہے، دوسروں کی ضروریات اور حاجات کا خیال رکھنا ہے۔ ان تمام افراد کی زندگیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ایک کا فائدہ، دوسرے کا فائدہ ہے، ایک کا نقصان دوسرے کا نقصان ہے۔ جو ایک کے فرائض ہے، وہ دوسرے کے حقوق ہیں۔ کچھ ایسی ذمہ داریاں ہیں، جو ہر فرد کو نبھانی ہوتی ہیں مثلاً ریاستی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی۔ ایک گروہ کے افراد کی آزادی، سکون اور جذبات کا

کیا امتحان دینا ضروری ہے؟

’’امتحان‘‘ ایک ایسا لفظ ہے جسے سُنتے ہی پیٹ میں بل سے پڑ جاتے ہیں۔ ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ موڈ الگ خراب ہو جاتا ہے، نیند بھی نہیں آتی، ہر بات پر غصہ آنے لگتا ہے اور یہ کیفیت خصوصاً اُس وقت طاری ہوتی ہے جب بچوں کا امتحان دینے کا موڈ ہی نہ ہو، سوچا بھی نہ ہو اور تیاری بھی نہ کی ہو۔ جن احمقوں نے تیاری کی ہوتی ہے، اُن کی ایسی حالت نہیں ہوتی، البتہ اُن کی حالت پڑھ پڑھ کر کافی پتلی ہو چکی ہوتی ہے۔

بہرحال، ہم تو اکثریت کی بات کر رہے ہیں کیوں کہ majority is authority۔ ہم میں سے کون ہے جو خوشی خوشی امتحان دیتا ہے؟ کوئی بھی نہیں، بلکہ امتحان دینے لینے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔ بس بچوں کو سارا سال پڑھایا اور اگلی جماعت میں ترقی دے دی جو آج کل ویسے بھی دے دی جاتی ہے۔ تعجب ہے اُس شخص پر جو اس نظریے کا خالق تھا۔ کس کے دِل میں یہ خیال آیا تھا اور اُس سے زیادہ تعجب تو اُن لوگوں پر ہوتا ہے جنھوں نے یہ نظریہ نافذ ہی کر ڈالا بلکہ عملی شکل میں دُنیا بھر میں پھیلا ڈالا اور بچوں کی زندگی اجیرن کر دی۔ ہمیں یقین ہے کہ جس شخص نے یہ نظریہ تخلیق کیا، اُس نے خود کوئی امتحان نہیں دیا ہو گا ورنہ وہ ایسی خوف ناک بات دوسروں کو کبھی نہ بتاتا۔

اب یہی سوال کسی بھی عقل مند بچے سے پوچھا جائے کہ بیٹا! کیا امتحان دینا ضروری ہے؟ وہ جھٹ سے بول پڑے گا، بالکل نہیں۔ دوسرا کہے گا کہ آخر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اساتذہ کو خود پر اور ہم پر بھروسا ہونا چاہیے۔ اُنھوں نے ہمیں اچھا پڑھایا اور ہم نے اچھا پڑھا، بس اتنا کافی ہے۔ مگر کہاں! چھوٹے چھوٹے بچے پہلے تو بڑے بڑے بستوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور پھر اُن کے معصوم دل و دماغ امتحانوں کا خوف جھیلتے ہیں۔ اکثر بچے تو اسی خوف کی وجہ سے فیل ہو جاتے ہیں۔ ایسا تھوڑا ہوتا ہے کہ اُنھوں نے پڑھا نہیں ہوتا۔ وہ بھی تو اُسی جماعت میں ہوتے ہیں، جہاں اوّل آنے والے بچے بیٹھے ہوتے ہیں۔ سہمے تو وہ بھی ہوتے ہیں مگر فیل ہونے والے بچوں کے خوف کی قِسم اور ہے۔

اساتذہ کی حالت الگ خراب ہوتی ہے۔ وہ پڑھاتے بھی ہیں اور ہمیں ڈراتے بھی ہیں۔ امتحانات کا جھنجھٹ اُن کے لیے تو ختم ہی نہیں ہوتا اور سب سے مشکل کام تو یہ ہوتا ہے کہ ہمارے پرچے اُنھیں پڑھنے پڑتے ہیں۔ پھر اُس وقت اُنھیں جو غصہ آتا ہے، وہ بھی ضبط کرنا پڑتا ہے، کیوں کہ اُس وقت ہم لوگ اُن کے پاس نہیں ہوتے ورنہ جو ہمارا حال ہو الامان الحفیظ، بلکہ ہمارے خیال میں اساتذہ کو خود ایک تحریک چلا کر اس نظام کو ختم کرا دینا چاہیے جو اُن کا موڈ خراب کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اگر وہ کہیں تو ہم سب عقل مند بچے اس تحریک

عمروں کا تفاوت

انسان اپنی زندگی کے مختلف اَدوار جیتا اور گزارتا ہے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا... ان سب کا اُس کی زندگی میں اہم حصہ ہے۔ بچپن، بے فکری اور معصومیت کا دَور سمجھا جاتا ہے مگر ایسا سب کے لیے نہیں۔ کچھ لوگوں کا بچپن بہت تلخ حالات اور مصائب میں گزرتا ہے۔ جوانی کا دَور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے اور اپنا اصل مقام بنانے کی تگ و دو میں گزر جاتا ہے۔ آخری اور تیسرا دَور بڑھاپا ہے، جس میں انسان کی صلاحیتیں اور خوبیاں گہنا چکی ہوتی ہیں مگر اُس کے پاس تجربہ اور علم ہوتا ہے۔ ہر دَور کی اپنی یادیں اور تجربات ہوتے ہیں اور یوں انسان کچھ کھوتا اور کچھ پاتا ہوا آگے کی جانب رواں دواں رہتا ہے، حتیٰ کہ اس دُنیا کی آخری منزل طے کر جاتا ہے یعنی موت کی منزل۔

ہمارا موضوع اِس وقت عمروں کا تفاوت یعنی generation gap ہے۔ یہ آج کا مسئلہ نہیں بلکہ ہر زمانے، ہر معاشرے اور ہر خاندان کا مسئلہ ہے۔ انسان دراصل اپنے معاشرے اور خاندان کو وہی کچھ دیتا ہے جو اپنی عُمر کے ابتدائی دور میں اُسے ملا ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی جیب میں جو ہو گا، آپ اُسی میں سے کسی کو کچھ دیں گے نہ کہ کسی دوسرے کی جیب سے نکال کر دے دیں گے! بزرگوں اور بچوں کے درمیان ایک طویل مدت کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ طویل عرصہ چالیس پچاس سال کا، یا زیادہ اور کم بھی ہو سکتا ہے۔ اس مسئلے نے آج کل ایک پیچیدہ اور مشکل صورتِ حال اختیار کر لی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ بڑوں اور بچوں کے درمیان ایک طویل عرصے کا فرق ہے، جسے دونوں ہی طے نہیں کر سکتے۔ ہمارے بزرگ اپنی زندگیاں گزار چکے ہوتے ہیں جب کہ نئی نسل نے ابھی اُس راستے کا سفر شروع ہی کیا ہوتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان صرف محبت، توجہ، نرمی، درگزر اور احساس ہی پُل کا کام دے سکتا ہے۔

دُنیا ترقی کرتی جا رہی ہے اور حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ معاشرتی اور خاندانی قدریں بہت تیزی سے بدل رہی ہیں۔ آج سے پچیس سال پہلے جو بات معیوب سمجھی جاتی تھی، وہ اب معیوب نہیں رہی۔ دراصل رویّے، اقدار اور ترجیحات بدل جانے کی وجہ سے یہ فاصلہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ پہلے زمانے کے بچے والدین کے سامنے نظر اُٹھا کر بات نہیں کرتے تھے۔ یہ ادب اور فرماں برداری ہماری خاندانی اقدار کی بنیاد تھی۔ اُسی دَور کے بچے جو اب دادا دادی اور نانا نانی کے رشتے میں بدل چکے ہیں، جب وہ آج کے بچوں کو ماں باپ کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے، بحث کرتے، اپنی بات منواتے اور so what کہتے ہوئے سنتے دیکھتے ہیں

اچھے آداب و اطوار

کسی شخص کا کردار اُس کی عادات، اخلاق اور طور طریقوں کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ ہماری عادات و اطوار نمایاں طور پر ہماری شخصیت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیتی ہیں۔ ہم خواہ کتنے ہی خوب صورت اور پُرکشش نظر آ رہے ہوں مگر اصل خوب صورتی اور کشش اچھے آداب و اطوار ہی کی مرہونِ منت ہے۔ ظاہری شخصیت کا اثر کچھ دیر قائم رہتا ہے جب کہ کردار، عادات، اخلاق، طور طریقے اور گفتگو کا اثر ہمیشہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

ہماری عادات و اطوار ہمارے لیے بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔ یہی ہماری شخصیت کو بناتی یا بگاڑتی ہیں۔ یہ ہی اصل حُسن یا بدصورتی ہیں۔ اچھے آداب و اطوار اپنانا آسان اور سہل نہیں، اس کے لیے بے حد محنت اور برداشت سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کا تعلق اچھے خاندان، حسب نسب، پرورش، تربیت اور احساسات سے ہوتا ہے۔ اچھے آداب کا مالک خود بھی اچھا ہوتا ہے اور وہ دوسروں میں بھی یہی خوبیاں دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ دوسروں کا دل موہ لیتا ہے۔ اُن کی عزت، محبت اور احترام حاصل کر لیتا ہے۔ ہر جگہ اُس کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ موجود ہو یا غیر موجود، دوسرے لوگ اس کی تعریف اچھے الفاظ میں ہی کریں گے۔ بلا شبہ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے ایک فرد کو اپنے آداب، طور طریقوں اور کردار کی باقاعدہ تربیت کرنی پڑتی ہے اور چھوٹی چھوٹی اور معمولی چیزوں پر بھی توجہ دینی پڑتی ہے۔

ایک مہذب انسان میں بہت سی خوبیاں ہوتے ہیں۔ وہ منکسرالمزاج اور نرم خُو ہوتا ہے۔ وہ دوسروں سے متکبرانہ اور دُرشت لہجے میں بات نہیں کرتا۔ ہر کسی کا احترام کرتا ہے اور بِلا دِقت دوسروں میں گھُل مِل جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ سختی اور ضرورت سے زیادہ نرمی، دونوں انسان کے کردار کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ہر وقت نرمی کا اظہار کرنے والے کو بھی لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ دوسروں کی بِلا وجہ خوشامد بھی اِسی زمرے میں آتی ہے۔ اگر کوئی نقصان پہنچائے یا دُکھ پہنچائے تو اپنے ردِ عمل کا اظہار کریں مگر اعتدال اور میانہ رَوی سے۔ دوسروں کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا بھی اچھے آداب و اطوار میں شامل ہے۔ اچھے آداب و اطوار رکھنے والا شخص ملنسار اور خوش اخلاق ہوتا ہے۔ وہ ہر کسی کو اتنی محبت اور اَخلاق سے ملتا ہے کہ اجنبیت کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ دوسروں کے عیبوں سے چشم پوشی کرنا ایک بے حد اہم اور ضروری اخلاقی پہلو ہے۔ جو شخص دوسروں کی عیب جوئی کرے، اُن کے بارے میں اِدھر اُدھر چغلی اور غیبت کرے، وہ بد اَخلاق اور غیر مہذب کہلاتا ہے۔ خامیوں کو نظر انداز کرنا اور خوبیوں کو اُجاگر ایک اعلیٰ وصف ہے۔ جو لوگ اپنی بڑائی بیان

مثبت سوچ، مثبت کردار

ثاقب، موٹر سائیکل پر سوار ہو کر گھر سے نکلا۔ گلی کا موڑ مُڑتے ہی پان شاپ پر اُس نے موٹر سائیکل روکی اور اُتر کر دُکان دار سے سگریٹ کی ڈبیا مانگی۔ دُکان دار سگریٹ کی ڈبیا لفافے میں ڈال رہا تھا کہ ثاقب نے قریب کھڑے دوسرے گاہک کی جانب دیکھا۔ اُسے ایسا لگا کہ وہ لڑکا اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا ہے۔ ثاقب تھا تو بد مزاج اور اکھڑ سا، آگے بڑھ کر اُسے گریبان سے پکڑ لیا اور لگا پوچھنے، ''ہاں بھئی، کیا بات ہے، کیوں گھور رہے ہو؟'' وہ گھبرا کر ایک دو قدم پیچھے ہٹا مگر ثاقب نے اُس کا گریبان نہ چھوڑا بلکہ بار بار یہی کہتا رہا کہ تم مجھے کیوں گھور رہے تھے؟ اب تو اُس لڑکے نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دینے شروع کر دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھا پائی ہونے لگی۔ اچانک ثاقب نے ایک خالی بوتل اُٹھائی اور لڑکے کے سر پر دے ماری۔ وہ چکر کھا کر گر پڑا۔ لوگ بھاگ کر اکٹھے ہو گئے، تھوڑی دیر میں پولیس آگئی اور ثاقب کو گرفتار کر کے لے گئی ...

یہ تمام واقعہ منفی سوچ کے باعث پیش آیا۔ منفی سوچیں ہمیں منفی کردار اور اُن کے بھیانک انجام کی طرف لے جاتی ہیں۔ ہم اپنے اور دوسروں کے بارے میں جیسا سوچیں گے، ویسا ہی عمل کریں گے۔ عام طور پر لوگ معمولی معمولی باتوں پر تحمل اور صبر اختیار کرنے، درگزر یا نظر انداز کرنے کی بجائے منفی سوچ اپناتے اور ایسا ہی ردِّعمل ظاہر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اُسے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ ان خوبیوں میں بُردباری، حسنِ ظن اور برداشت بہت اعلیٰ خوبیاں ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی کے تلخ اور ناخوشگوار تجربات کو حوصلے سے برداشت کرے۔ زندگی خوش گوار اور ناخوش گوار، دونوں طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ہمیں ناخوش گواریوں کو خوش گواری سے سہنا ہے، تب ہی ہم مثبت سوچ اور مثبت کردار اپنا سکیں گے۔ حسد، بدگمانی، مایوسی اور اور کم فہمی، ایسے منفی رویّے ہیں جو ہماری پوری شخصیت کو بگاڑ دیتے ہیں۔ مثبت سوچ رکھنے والا انسان تکلیف دہ واقعات بھول جاتا ہے۔ ماضی کو یاد رکھنے اور ہر وقت اُس پر کڑھتے رہنے والا کبھی مثبت سوچ اور کردار نہیں اپنا سکتا۔ لوگوں کے رویّے نظر انداز کرنا، پرانی باتیں بھول جانا، دوسروں سے درگزر کرنا، ناکام ہونے کے باوجود حوصلہ قائم رکھنا، مختلف خوف اور وہموں سے دُور رہنا، بدنظمی اور بدگمانی سے بچنا، حسد اور غصے سے بچنا، پُراُمید رہنا، دوسروں کے خلاف سازشیں کرنے سے بچنا، تحمل اور بردباری سے کام لینا، ایسے عوامل ہیں جو مثبت سوچ پیدا کرتے ہیں۔ پہلا عمل ہی ہماری سوچ ہے۔ یہی وہ ریموٹ کنٹرول ہے جو ہمیں چلاتا ہے۔ بدگمانی، حسد،

(۱) ہمارے شہر کی تاریخی عمارات

آپ کے شہر کا نام اور تاریخی پس منظر .... تاریخی عمارات مثلاً قلعے، باغات، مساجد، حویلیاں وغیرہ .... اُن عمارات کے بارے میں آپ کی دلچسپی اور معلومات .... اُن سے متعلق ماضی کی کہانیاں اور مشہور روایات .... تاریخی عمارات کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے حکومت کیا اقدامات کر رہی ہے .... بحثیت ایک پاکستانی، آپ کا کردار کیا ہونا چاہیے............

(۲) بازار بمقابلہ پلازے

روز مرّہ اور کبھی کبھار استعمال ہونے والی اشیائے ضرورت .... چیزوں کی خرید و فروخت اور لین دین کے مراکز بازار........... شہر کے مشہور بازار مثلاً انار کلی، رنگ محل، اچھرہ بازار، لبرٹی مارکیٹ وغیرہ .... انسانوں کی بڑھتی ہوئی مصروفیات کے باعث وقت کی کمی اور بازاروں میں خرید و فروخت کا رُجحان کم ہونے کی وجوہات........... پلازوں میں شاپنگ آسان اور باسہولت .... وقت کی بچت اور تھکن سے نجات........... جدید رُجحان .... آج کل کے پلازے انسان کے لیے پکنک کے مراکز............

(۳) کتابوں کی دُکان

گھر یا سکول کے قریب کتابوں کی دُکان .... بے شمار موضوعات پر نئی، جدید، خوب صورت با تصویر کتابیں، رسالے اور اخبارات........... آپ کے پسندیدہ موضوعات پر کتابیں اور رسالے.......... ہر مہینے جیب خرچ سے بچا کر کتاب خریدنا ....اکثر وقت گزارنے کے لیے دُکان پر جانا اور نئی کتابوں کا مطالعہ ....فوائد ....

(۴) فوڈ سٹریٹ

موجودہ دور میں نت نئے کھانوں کے رُجحان میں بے پناہ اضافہ .... تفریح طبع کا ایک نیا انداز، فوڈ سٹریٹس .... آپ کے شہر کی فوڈ سٹریٹ، وہاں کی دُکانیں، کھانوں میں ورائٹی، رونق، گھما گھمی .... افطاری، عید اور دیگر مواقع پر نظارہ اور سجاوٹ .... کھانے پینے کے اس نئے چلن اور ڈھنگ کے فائدے اور نقصانات............

(۴) لائبریری جانا ضروری ہے

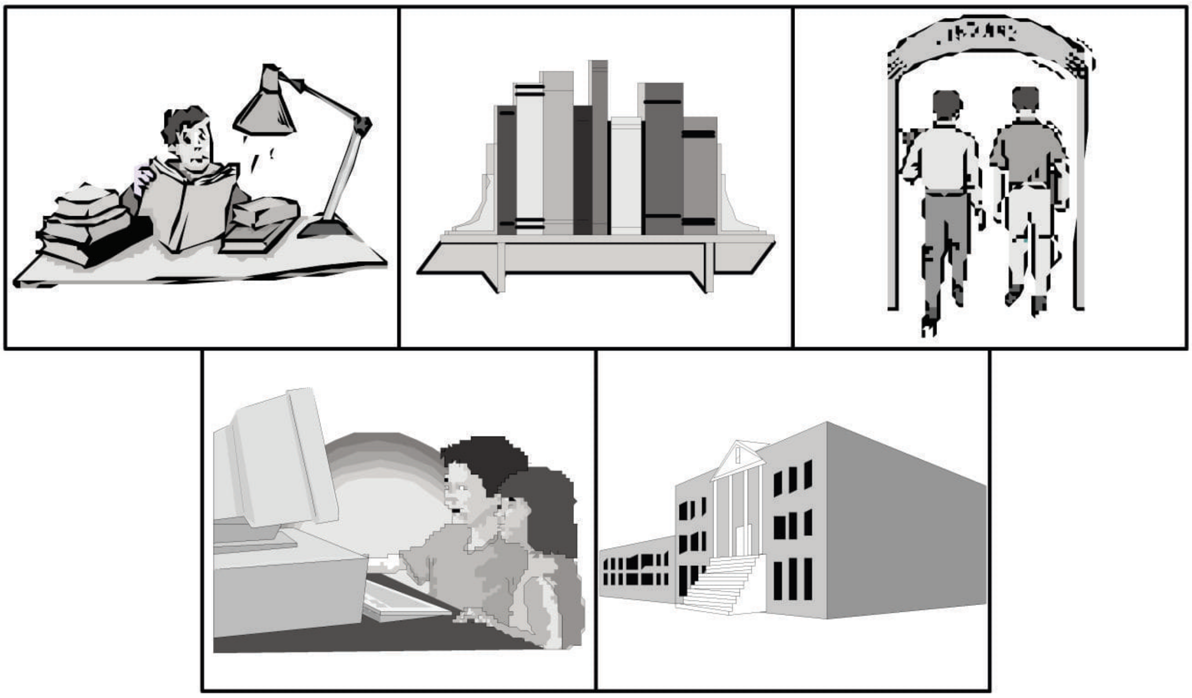

ہمارے طلبا میں لائبریری جانے اور مطالعہ کرنے کا رُجحان بہت کم ہے۔ اِس کی بہت سی وجوہات ہیں مگر یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ ایک شخص کے لیے عموماً مگر ایک طالبِ علم کے لیے خصوصاً لائبریری جانا بے حد ضروری ہے۔ اُسے لائبریری کیوں جانا چاہیئے؟ مندرجہ بالا تصاویر اور ذیل میں دیئے گئے نکات کے مطابق مضمون لکھیں۔

(۱) لائبریری ایک ایسی جگہ ہے جو ہر موضوع پر بے شمار اعلیٰ اور معیاری کتابیں پڑھنے کا موقع فراہم کرتی ہے،

(۲) دن بھر کی تھکا دینے والی تعلیمی مصروفیات کے بعد لائبریری کون جائے،

(۳) مطالعہ کا شوق، علم کا حصول، جاننے کا ذوق اور تجسّس... ایسی وجوہات ہیں جو آپ کو لائبریری جانے سے روک نہیں سکتیں خواہ ہفتے میں ایک ہی دن کے لیے،

(۴) مسلمانوں اور خصوصاً پاکستانیوں کی علمی و اخلاقی پستی کی اصل وجوہات کا تجزیہ،

(۵) مسلمانوں کا عظیم علمی ورثہ اور عظیم مسلمان شخصیات کا حوالہ،

(۶) بچوں میں اس رُجحان کا اضافہ اور نشوونما کیسے کی جائے، ذمہ دار کون؟

(۱۳) میری شرارتیں

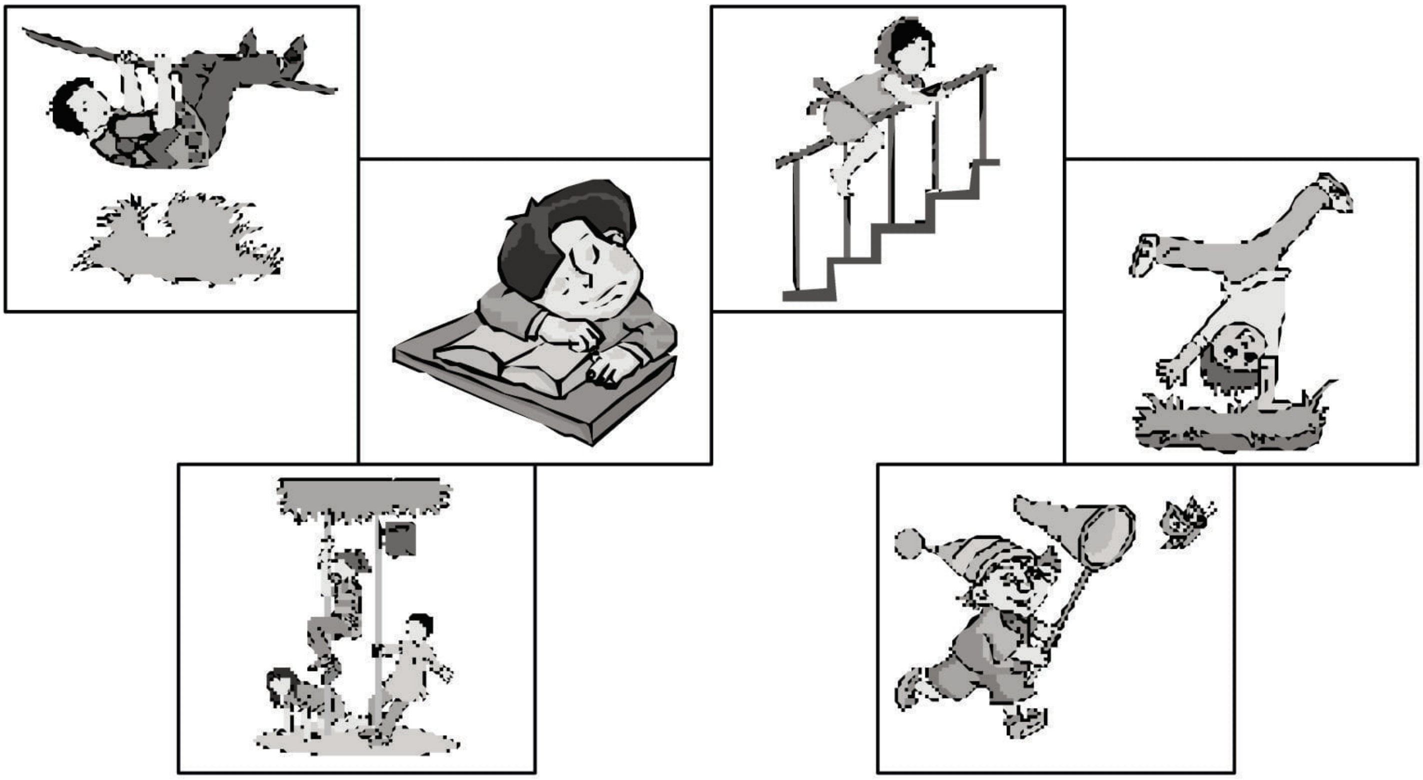

بچپن میں شرارتیں، جوانی میں محنت اور بڑھاپے میں تجربہ ... گویا ہر دَور اپنی ایک خاصیت رکھتا ہے۔ شرارتیں بچے نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ اپنی شرارتیں یاد کریں اور مضمون کی صورت میں لکھیں۔

(۱) بچپن ناسمجھی اور بے فکری کا دَور ہے،

(۲) آپ کو اپنی کون کون سی شرارتیں آج بھی یاد ہیں، کس پر امی ابو ہنسے اور کس پر سزا ملی، لکھیں۔

(۳) شرارتی بچوں سے تو پیار کیا جا سکتا ہے البتہ بدتمیز بچوں سے ہر کوئی چڑتا ہے۔ شرارت اور بدتمیزی دونوں میں فرق واضح کریں،

(۴) آپ سے چھوٹی عمر کے بچے جب شرارتیں کرتے ہیں تو آپ کا رویّہ کیسا ہوتا ہے؟

(۲۰) ٹریفک کے اشاروں کی اہمیت وضرورت

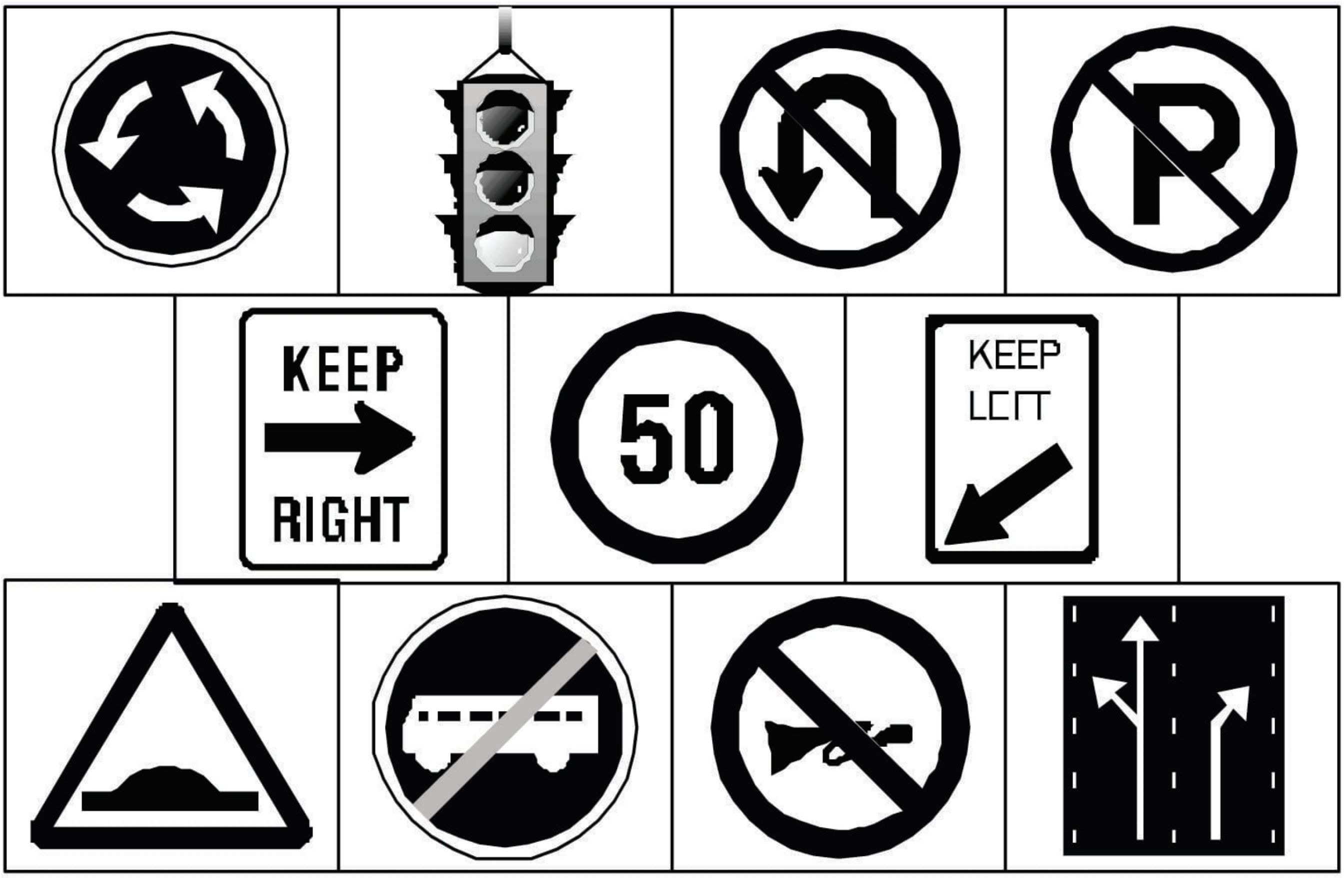

میرے خیال میں اگر آپ نے کسی قوم کے مزاج اور کردار کا اندازہ کرنا ہوتو وہاں کی ٹریفک کے حالات سے کر سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا تصاویر ٹریفک کے چند اشاروں کی ہیں۔ ہم ٹریفک کے اشاروں کو کتنا سمجھتے ہیں اور اِن کی کس حدتک پابندی کرتے ہیں، نکات اور تصاویر کے مطابق مضمون لکھیں۔

(۱) قانون، اصول اور ضابطے کیا ہوتے ہیں اور اِن کی ضرورت کیا ہوتی ہے،

(۲) ٹریفک کے قوانین کس مقصد کے لیے ہیں اور دُنیا بھر کی مہذب قومیں ان پر عمل کیوں کرتی ہیں،

(۳) مندرجہ بالا اشارے کن قوانین کو ظاہر کرتے ہیں، الگ الگ لکھیں،

(۴) ہمارے ملک میں ٹریفک کے اشاروں اور ضابطوں کا کتنا لحاظ اور پابندی کی جاتی ہے،

(۵) ہم کب سدھریں گے اور ہمارے حالات اور نظام کب ٹھیک ہوں گے، کیا ہم آپ بچوں سے اس بہتری کی اُمید کریں یا ....!